

سود کی حرمت کیوں؟

ڈاکٹر محمد عمر چھاپرا

پچھلے مقالے میں یہ واضح کیا گیا تھا کہ قرآن نے سود خوری کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے خلاف جنگ کے برابر قرار دیا ہے اور رسول اکرم ﷺ نے اسے چھتیس بار زنا کرنے یا اپنی ماں کے ساتھ اسی قسم کی بے حرمتی کرنے سے بھی زیادہ برا قرار دیا ہے۔ اور قرضے کی شرط کے طور پر چھوٹے سے چھوٹا معاوضہ یا تحفہ لینے سے بھی منع فرمایا ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر اسلام نے سود کی حرمت کے بارے میں اتنا سخت لہجہ کیوں اختیار کیا ہے جبکہ اتنی سختی کسی اور جرم کے بارے میں اختیار نہیں کی گئی ہے۔ اس مقالے میں اسی سوال کا جواب دینے کی کوشش کی گئی ہے۔

سود کی حرمت دوسرے مذاہب میں :- یہاں یہ بات بھی

سامنے رکھنے کی ضرورت ہے کہ اسلام ہی ایک ایسا مذہب نہیں ہے جس میں سود کی حرمت اس قدر سختی سے آئی ہو۔ ہندومت، یہودیت اور عیسائیت میں بھی سود کی سختی سے مذمت کی گئی ہے (۱) تلمود نے جو یہودیوں کی مقدس کتاب ہے، سود لینے والے کو جرم کے اعتبار سے قاتل کے برابر قرار دیا ہے اور مشن نے جو انگی فقہ کی کتاب ہے، سود لینے والے کو عدالت میں گواہی دینے کیلئے نا اہل قرار دیا ہے (۲)۔ عیسائیوں کی مقدس کتاب بائبل نے سود لینے والے کو ظالم قرار دیا ہے (۳) اور ان کی تیسری لیٹرن کونسل (Third Lateran Council) نے جو ۱۱۷۹ء میں منعقد ہوئی تھی، سود لینے والوں کو عیسائیت کے طریقہ پر دفن کرنے کی بھی ممانعت کی تھی (۴)۔ یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہیے کہ عیسائیت نے زیادہ شرح سود (usury) اور کم شرح سود (interest) کے درمیان کوئی فرق روا نہیں رکھا تھا، دونوں یکساں حرام تھے (۵)۔ اس وجہ سے یہ سوال اور بھی اہمیت اختیار کر جاتا ہے کہ آخر سود کے خلاف حکم میں تمام مذاہب میں اتنی سختی کیوں

ایک عالم پر عالم کی فضیلت ایسی ہے جیسے کہ چاند کی فضیلت دوسرے تمام ستاروں پر (سنن ابو داؤد و ترمذی)

ہے؟ کیا اس کی کوئی معقول وجہ ہے؟ اور اگر کوئی وجہ ہے تو کیا وہ وجہ موجودہ زمانے سے بھی اتنی ہی مناسب رکھتی ہے جتنی قرونِ اولیٰ میں رکھتی تھی؟

کیا صرف غریب لوگ قرضے لیتے تھے؟: جو لوگ سود کی

حرمت کے خلاف ہیں وہ یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ ان سب مذاہب میں سود کھانے کی ممانعت اس لئے تھی کہ اس سے غریبوں کے ساتھ ظلم ہوتا تھا۔ وہ اپنی معاشی مشکلات کی بناء پر قرض لینے کے لئے مجبور ہوتے تھے اور بہت اونچی شرح سود کی بناء پر ان کی کمر ٹوٹی تھی اور یہی نہیں کہ غربت ان پر اور زیادہ مسلط ہو جاتی تھی بلکہ وہ سرمایہ دار کے غلام بن جاتے تھے۔ اس دلیل کی بناء پر وہ اصرار کرتے ہیں کہ جدید دور کے بینک اس قسم کا استحصال نہیں کرتے۔

اسلامی تاریخ، جیسا ہم پچھلے مقالے میں بتا چکے ہیں، اس مفروضے کی کسی صورت سے تصدیق نہیں کرتی ہے۔ سود کی حمایت کرنے والے تاریخ کی اس حقیقت کو سمجھنے سے قاصر ہیں کہ اسلام نے غریبوں کی حالت بہتر بنانے اور ان کو سودی قرضے کے شکنجے سے بچانے کے لیے کتنا بڑا انقلاب برپا کر دیا تھا۔ رسول اکرم ﷺ کی زندگی کے آخری دور میں جب سود کی حرمت کا نفاذ سختی سے ہوا اس وقت اسلام کا فلاحی نظام پوری طرح قائم ہو چکا تھا اور غریبوں کو اپنی ضروریات پوری کرنے کے لیے قرض لے کر سرمایہ دار کے شکنجے میں پھنسنے کی کوئی حاجت نہیں پیش آتی تھی۔ ان کی ضروریات صاحبِ ثروت لوگوں کے زکوٰۃ، صدقات اور قرض حسن سے پوری ہو جاتی تھیں۔ اس کے علاوہ بیت المال بھی لوگوں کی خبر گیری اور حاجت روائی کے لیے موجود تھا۔

یہاں شاید آپ یہ سوال اٹھائیں کہ اگر غریب لوگ قرض نہیں لیتے تھے تو پھر کون لیتا تھا۔ قرض تو تاجر حضرات لیتے تھے جو اپنے معاشرے کی فاضل پیداوار کی برآمد اور ضروریات زندگی کی درآمد

کے لیے دور دراز کے سفر قافلوں کی صورت میں کرتے تھے۔ ان سفروں میں طویل مدت صرف ہوتی تھی اور کافی سرمایہ درکار ہوتا تھا۔ تاجر کو نفع بھی ہو سکتا تھا اور نقصان بھی۔ اسلام کے نظام عدل میں یہ چیز قابل قبول نہیں تھی کہ سرمایہ دار جس نے صرف سرمایہ فراہم کیا اور اس کے علاوہ کوئی تنگ دو نہیں کی اس کو تو ہر حالت میں ایک طے شدہ شرح سے سود ملے اور تاجر کو اس کی تمام تنگ و دو کے باوجود پورا کا پورا نقصان برداشت کرنا پڑے۔ اسلام نے اس لیے سود کو ختم کیا اور سرمایہ دار کے لیے یہ ضروری قرار دیا کہ وہ نفع اور نقصان دونوں میں شریک ہو۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام میں سود کی حرمت اس لیے نہیں آئی کہ اس سے غریبوں کا استحصال ہوتا تھا یا جو اس کے کہ اسلامی نظام میں غریبوں کے ساتھ عدل و انصاف کرنے اور ان کی حالت بہتر بنانے کو بہت بڑی اہمیت حاصل ہے۔ یہی نہیں بلکہ قرآن تو عدل و انصاف کا یہ تقاضا سمجھتا ہے کہ جن لوگوں کا استحصال کیا گیا ہے ان کی حالت بہتر بنا کر انہیں قیادت کے مناصب تک پہنچایا جائے (۶)۔ غریبوں کی امداد کے لیے اسلام نے اپنا ایک مخصوص فلاحی نظام بنایا ہے جس کی تفصیل اسلام کے اقتصادی نظام سے متعلق کئی کتابوں میں میسر ہے۔ لہذا اس تفصیل میں یہاں جانے کی ضرورت نہیں۔ یہاں تو صرف اتنا کہنا کافی ہے کہ اسلام تو غریبوں کی امداد سے بھی آگے بڑھ کر ایک ایسا نظام دیتا ہے جس کے ذریعے سے زندگی کے تمام شعبوں میں عدل و انصاف کا دور دورہ ہو۔ تاکہ فلاح عام کی بنیادیں مضبوط ہوں۔ اسی بات کو قرآن نے انبیاء کی بعثت کا سب سے بڑا مقصد قرار دیا ہے (سورۃ حدید، آیت نمبر ۲۵)۔

سود اور فلاح انسانی کا حصول :- اسلام میں عدل کا جو وسیع اور جامع

تصور ہے اس کے تقاضے صرف غریبوں کے استحصال کو ختم کرنے اور تاجر اور سرمایہ دار کے درمیان عدل کے قیام سے پورے نہیں ہوتے۔ عدل کا حصول صرف اس صورت میں ہو سکتا ہے جب وہ

سارے وسائل جو اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس کے خلیفہ ہونے کی حیثیت سے بطور امانت فراہم کیے ہیں اس طرح استعمال کیے جائیں کہ سارے انسانوں کی بہبودی کے تمام مسلمہ تقاضے پورے ہوں۔ یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ ہم ان وسائل کو اس خوبی کے ساتھ استعمال کریں کہ مناسب رفتار سے اقتصادی ترقی ہو اور کم از کم مندرجہ ذیل چار مقاصد کا زیادہ سے زیادہ ایک متوازن (optimum) طریقہ پر حصول ہو:-

- (۱) تمام انسانوں کی ضروریات زندگی پوری ہوں۔
- (۲) تمام لوگوں کو ان کی صلاحیتوں کی مناسبت سے قابل احترام ذریعہ معاش حاصل ہوتا کہ اپنی ضروریات زندگی اپنی محنت سے پوری کر سکیں۔
- (۳) آمدنی اور دولت کی عادلانہ تقسیم ہو۔
- (۴) مالی اور اقتصادی استحکام ہو۔

یہ مقاصد اسی صورت میں حاصل ہو سکتے ہیں جبکہ پورا نظام زندگی اور خصوصاً اقتصادی نظام اور اس کی حکمت عملی ان مقاصد کے ساتھ ہم آہنگ ہو۔ ایسی حکمت عملی کا ایک اہم سنگ بنیاد اللہ تعالیٰ نے سود کی حرمت کو قرار دیا ہے اور اس لئے تمام ادیان نے اس کی سختی سے مذمت کی ہے اس مقالے کا بنیادی مقصد مختصر طور پر یہی بتانا ہے کہ سود کی بنیاد پر قائم ہونے والا مالی نظام کس طرح ان مقاصد کے بدرجہ اتم حصول میں مانع ہوتا ہے اور سود کی حرمت کے دائرے میں معاشی نظام کی تنظیم نو اور قرضوں پر انحصار میں کمی سے کس طرح ان مقاصد کے حصول میں زیادہ موثر طریقہ پر مدد مل سکتی ہے (۷)۔

(۱) ضروریات زندگی کی تکمیل :- سودی نظام میں قرضے عموماً انہیں

لوگوں کو ملتے ہیں جو کوئی قابل قبول اثاثہ (collateral) بنک کو ضمانت کے طور پر فراہم کرنے کے علاوہ اس کا بھی بینک کو اطمینان دلا سکیں کہ ان کے پاس نقد کا بہاؤ (cash flow) اتنا ہے کہ وہ اصل رقم بجمع سود کے ادا کر سکیں گے۔ قرض کی رقم بھس مقصد کے لیے استعمال ہوتی ہے اس کی طرف توجہ تو دی جاتی ہے مگر اتنی نہیں جتنی دی جانی چاہیے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ضمانت اور نقد کا بہاؤ دونوں قرض کی ادائیگی کے لیے ناگزیر ہیں لیکن ان دونوں کی طرف ایک حد سے زیادہ توجہ دینے کی وجہ سے قرض کی رقم کے حقیقی استعمال کی طرف توجہ کم ہو جاتی ہے۔ اس وجہ سے قرض کے لیے میسر وسائل زیادہ تر مالداروں کو مل جاتے ہیں۔ جو ضمانت بھی فراہم کر سکتے ہیں اور ان کے پاس نقد کا بہاؤ بھی خاطر خواہ ہوتا ہے یا پھر حکومتوں کو ملتے ہیں جن کے بارے میں عام طور پر توقع ہے کہ وہ کنگال نہیں ہوں گی اور قرضے کو بجمع سود کے ادا کر دیں گی۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مالدار لوگ اور حکومتیں کس مقصد کے لیے قرضے لیتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ مالدار لوگ جو قرضے لیتے ہیں وہ ان کی استہلاک کی اغراض (consumption) کے لیے ہوتے ہیں یا پھر سرمایہ کاری کے لیے۔ جو قرضے وہ استہلاک کے لیے لیتے ہیں وہ ان کی ضروریات زندگی پوری کرنے کے لیے نہیں ہوتے بلکہ وہ اشیاء تعیش کی خریداری کے لیے ہوتے ہیں۔ اور جو قرضے وہ سرمایہ کاری (investment) کے لیے لیتے ہیں وہ بھی سب کے سب پیداواری اغراض کے لیے نہیں ہوتے بلکہ نئے اور اسی طرح کی دوسری غیر پیداواری اغراض کے لیے بھی ہوتے ہیں۔ اور حکومتیں بھی جہاں ترقیاتی منصوبوں اور عوام کی بہبود کے لیے قرضے لیتی ہیں وہاں وہ غیر ضروری اسلحہ اور غیر پیداواری منصوبوں کے لیے بھی لیتی ہیں۔ اس طرح جو وسائل پورے معاشرے کے پاس میسر ہیں ان پر ضرورت سے زیادہ بوجھ بڑھ جاتا ہے۔ چونکہ وسائل پہلے ہی ناکافی ہیں اس لیے قرضوں کی وجہ سے مالدار لوگوں اور حکومتوں میں اپنی وسعت سے زیادہ خرچ کرنے (living beyond means) کا جو رجحان پیدا ہوتا ہے اس سے ضروریات

کسی سر زمین پر ایک حد کے نفاذ کی برکت وہاں چالیس روز نازل ہونے والی بادش کی برکت سے بھر ہے

زندگی پوری کرنے اور پیداواری سرمایہ کاری کے لیے وسائل میں کمی واقع ہو جاتی ہے۔ اس کا اثر کس پر پڑتا ہے؟

مالدار لوگ تو اپنی ضروریات بہر صورت پوری کر لیتے ہیں لیکن غریب لوگ پس جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ امریکہ جیسے رئیس ممالک بھی اپنی شدید خواہش اور بے پناہ وسائل کے باوجود غریب عوام کی تمام بنیادی ضرورتیں پوری کرنے سے قاصر رہے ہیں۔ پاکستان جیسے غریب مسلمان ممالک اگر امریکہ جتنی دولت پیدا کرنے کے بعد بھی عوام کی ضرورتیں پوری کرنے میں ناکام ہو جائیں تو پھر وہ اسلام کے فلاح عام کے حصول کے خواب کو کب شرمندہ تعبیر بنا سکیں گے؟

یہ ایک مفروضہ نہیں بلکہ حقیقت ہے کہ سودی قرضوں کے آسانی سے میسر ہونے کے باعث پاکستان میں مختلف حکومتوں نے قرضوں پر اس قدر انحصار کیا کہ بقول صدر مشرف حکومت کے پورے بجٹ کا تقریباً 66 فیصد صرف سود اور اصل کی ادائیگی (debt servicing) پر صرف ہونے لگا (۸)۔ چنانچہ دفاع اور انتظامی امور (administration) پر خرچ کے بعد حکومت کے پاس تعلیم، سڑکوں کی تعمیر اور مرمت، صحت، معاشی ترقی اور دیگر فلاح عام کے منصوبوں کے لیے بہت کم وسائل بچنے لگے۔ لہذا ہمیں مزید قرضے لینے پڑتے ہیں۔ قرض کے بوجھ کے اس قدر بڑھ جانے کی وجہ سے جہاں ہم غربت دور کرنے، معاشی ناہمواریاں کم کرنے اور ملک کی معاشی ترقی کی رفتار بڑھانے میں ناکام رہے ہیں وہاں ہم امیر ممالک کے ٹکٹے میں روز بروز زیادہ کے جاتے ہیں اور ہمیں غلاموں کی طرح ان کی خواہشات کے آگے سر تسلیم خم کرنا پڑتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ صدر مشرف کے دور میں قرض کے بوجھ میں کچھ کمی ہوئی ہے لیکن اس میں ہماری اپنی کوشش سے زیادہ بڑا دخل ہمارا مسئلہ افغانستان میں امریکہ کا ساتھ دینا تھا جس کی وجہ سے ہمیں مالی امداد میسر ہوئی اور قرض کی ادائیگی کی مدت میں بھی توسیع (rescheduling) ہوئی۔ اس

کے علاوہ دنیا بھر میں شرح سود میں کمی کی وجہ سے ہمیں کافی فائدہ ہوا ہے۔ لیکن جب شرح سود بڑھے گی اور قرض کی ادائیگی کی مدت میں توسیع کا اثر ختم ہوگا اور ہمیں قرض ادا کرنا پڑے گا تو پھر مستقبل کی حکومتوں کو اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا خاص طور سے اگر ہم نے قرض پر اپنا انحصار اسلامی تعلیمات کی روشنی میں بہت کم نہ کر دیا۔

مشرقی ایشیا کے ممالک کی تیز تر ترقی کے مختلف اسباب میں سے ایک سبب یہ ہے کہ ان کے امیر لوگوں نے نسبتاً سادہ زندگی کو اپنایا اور ان کی حکومتوں نے اپنے قومی وسائل پر زیادہ سے زیادہ اعتماد کیا اور قرضے کم سے کم لیے۔ اس کی وجہ سے ان پر قرضوں کا بوجھ بہت کم پڑا اور ترقی کے لیے جو منصوبے ضروری ہیں ان پر وہ زیادہ خرچ کر سکے۔ اگر پاکستان میں حکومتیں اسلام کی دی ہوئی تعلیمات پر عمل کرتیں تو وہ مجبور ہوتیں کہ اپنے ٹیکس کے نظام کو بہتر بنائیں اور غیر ضروری منصوبوں پر خرچ کم کریں۔ لیکن یہ دونوں کام نہیں کیے گئے کیونکہ قرضے لے کر خرچ کرنا ٹیکس کے نظام کی اصلاح کرنے کی بہ نسبت آسان تھا۔ جن غیر ضروری منصوبوں پر بڑی بڑی رقمیں خرچ کی گئیں اب ان کو ادا کرنے پونے داسوں پر نچی شعبے کو بیچا جا رہا ہے۔ اس عمل سے تھوڑے بہت آنسو چھ سکتے ہیں اس بات کو یقینی بنایا جائے کہ جو رقم اس طرح وصول ہوگی اسے قرض کے بوجھ کو کم کرنے کے لئے ہی استعمال کیا جائے۔

۲) روزگار کے مواقع - سودی نظام افراد اور حکومتوں میں اپنی وسعت سے زیادہ

خرچ کرنے کا جو رجحان پیدا کرتا ہے اس کی وجہ سے دنیا کے تمام ممالک کی بچتوں (saving) میں کمی واقع ہوئی ہے۔ پچھلی صدی کے آخری چوتھائی حصے میں دنیا کے تمام ممالک میں مجموعی پیداوار سے گھٹے بلو بچت کا تناسب 1971ء میں 26.2 سے گھٹ کر 1998ء میں 22.3 فیصد ہو گیا۔ صنعتی ممالک کی بچتیں 23.6 فیصد سے کم ہو کر 21.6 فیصد ہو گئیں اور ترقی پذیر ممالک میں

جن کو افراط زر اور قرضوں کی ادائیگی میں کمی نمایاں اضافے کے بغیر ترقی کی رفتار تیز کرنے کیلئے بچتوں کو بڑھانے کی شدید ضرورت ہے وہاں بھی اس عرصے میں بچتیں 34.2 فیصد سے کم ہو کر 26.0 فیصد رہ گئیں (۹)۔ بچت میں اس قدر کمی کی مختلف وجوہات ہیں جن میں سے ایک بہت بڑی وجہ سرکاری اور نجی شعبوں کے غیر پیداواری اخراجات میں معتدبہ اضافہ ہے جن کو سودی نظام میں فروغ ملتا ہے۔

اس کی وجہ سے حقیقی شرح سود (real rate of interest) میں اضافہ اور مجموعی سرمایہ کاری میں کمی ہوئی ہے۔ اس چیز نے دوسری سماجی اقتصادی اور سیاسی رکاوٹوں (structural rigidities) کے ساتھ مل کر روزگار کے مواقع کو حسب ضرورت شرح سے بڑھے نہیں دیا ہے۔ اس طرح دنیا کے تمام ممالک میں چاہے وہ امیر ہوں یا غریب بے روزگاری ایک ناقابل حل مسئلہ بن گئی ہے۔ بے روزگاری کی اوسط شرح یورپی یونین (European Union) میں 1999ء میں 9.2 فیصد تھی جو 1971-73 کی اوسط فی صد شرح کے مقابلہ میں تقریباً تین گنا زیادہ ہے (۱۰)۔ مستقبل قریب میں ان ملکوں میں بے روزگاری کی شرح میں کمی نمایاں کمی کے ہونے کی کوئی توقع نہیں کیونکہ ان ممالک میں اقتصادی ترقی کی حقیقی شرح (real rate of economic growth) مستقل طور پر اس شرح سے کم ہو گئی ہے جو بے روزگاری کم کرنے کے لیے ضروری سمجھی جاتی ہے۔ اس میں سب سے زیادہ تشویشناک بات نوجوانوں میں بے روزگاری کی بڑھتی ہوئی شرح ہے جس سے ان کی انا مجروح ہوتی ہے، مستقبل پر اعتماد کمزور ہوتا ہے، معاشرے سے نفرت بڑھتی ہے اور ان کی صلاحیتوں اور پیداواری استطاعت کو گھٹن لگتا ہے۔

یہاں یہ سوال اٹھایا جاسکتا ہے کہ امریکہ میں گھریلو بچت کے پست ہی نہیں بلکہ منفی ہونے کے باوجود معاشی ترقی تیز اور بے روزگاری بہت کم کیوں ہے؟ اس کی بہت سی وجوہات ہیں جن میں

سے ایک بہت بڑی وجہ امریکہ میں بیرونی بچتوں کا بہاؤ (inflow) ہے۔ اس کی وجہ سے سرمایہ کاری میں خاصا اضافہ ہوا ہے (۱۱)۔ اگر کسی وجہ سے یہ سرمایہ واپس جانا شروع ہو جائے یا اسے اندرونی بہاؤ میں کمی ہو جائے تو پھر اقتصادی ترقی اور روزگار کے مواقع کو برقرار رکھنا مشکل ہو جائے گا۔ اگر اس کی وجہ سے ڈالر کے (exchange rate) میں نمایاں کمی واقع ہو اور دنیا میں ڈالر پر اعتماد کو ٹھیس پہنچے تو دنیا کے مالی نظام (financial system) میں بھی ایک شدید بحران پیدا ہو سکتا ہے جیسا کہ 1971 میں ڈالر کی قیمت میں کمی (devaluation) سے پہلے اور بعد میں ہوا تھا۔

سے اور غیر ضروری اخراجات میں کمی اور بچت میں اضافہ ہو تو قومی اقتصاد کو کافی مدد مل سکتی ہے لیکن ایسا اس حالت میں ممکن نہیں جب سرکاری اور نجی شعبوں میں اپنے وسائل سے بڑھ کر غیر پیداواری اخراجات کی حوصلہ افزائی کی جا رہی ہو۔ سود کی بنیاد پر قائم مالیاتی نظام غیر پیداواری مقاصد کے لیے قرضوں کی آسان فراہمی کے ذریعے ایسے ہی طرز زندگی کو ممکن بنانے میں معاون ثابت ہوتا ہے۔ اس کے مقابلے میں اگر بینکوں کو سرمایہ کاری میں ہونے والے نفع اور نقصان دونوں میں شریک کیا جائے اور قرضے صرف حقیقی سامان اور خدمات (real goods and services) کی پیداوار کے لیے دیئے جائیں جو اسلامی نظام یعنی بنانا ہے تو اس کا اثر صرف یہی نہیں ہوگا کہ بینک قرضے دینے میں زیادہ محتاط ہو جائیں گے۔ بلکہ یہ بھی کہ قرضوں میں اضافہ معیشت میں ترقی کے تناسب سے ہوگا۔ غیر پیداواری اور سٹے کی بنیاد پر ہونے والے اخراجات بتدریج کم ہو جائیں گے اور پیداواری سرمایہ کاری اور ضروریات زندگی کی تکمیل کے لیے زیادہ وسائل مہیا ہوں گے۔ اس سے ترقی کی رفتار تیز ہوگی، روزگار کے مواقع میں اضافہ ہوگا اور بے روزگاری میں کمی واقع ہوگی۔

کسی سر زمین پر ایک حد کے نفاذ کی برکت وہاں چالیس روز نازل ہونے والی بارش کی برکت سے بہتر ہے

۲) عادلانہ تقسیم دولت :- سود کی بنیاد پر قائم روایتی مالیاتی نظام میں مالی

وسائل کی غیر عادلانہ تقسیم کو اب بڑے پیمانے پر تسلیم کیا جاتا ہے۔ آر نی بکسٹن (Arne Bigsten) کے مطابق ”سرمائے کی تقسیم زمین کی تقسیم سے بھی زیادہ غیر مساوی ہے“ اور ”بینکاری کا نظام سرمائے کی غیر مساوی تقسیم کو اور بھی مستحکم کرتا ہے“ (۱۲)۔ اس کی بڑی وجہ وہی ہے جو پہلے بتائی جا چکی ہے یعنی یہ کہ سودی بنیاد پر قائم مالیاتی نظام ادائیگی کی ضمانت (collateral) پر زیادہ انحصار کرتا ہے اور اس کی نظر منصوبے کی افادیت یا قرض پر لے جانے والے سرمائے کے استعمال پر اتنی نہیں ہوتی جتنی کہ ہونی چاہیے۔ چنانچہ باوجود اس کے کہ بینوں میں رکھی جانے والی بچتیں معاشرے کے بے شمار افراد سے وصول ہوتی ہیں ان کا فائدہ صرف مالدار لوگوں کو پہنچتا ہے۔ جیسا کہ میشان (Mishan) نے بجا طور پر کہا ہے: ”چونکہ دولت کی تقسیم میں بہت زیادہ فرق ہے قرض دینے والے کے لیے یہ معقول نہ ہوگا کہ وہ معاشرے کے مالدار افراد کے بجائے غریب افراد کو بھی قرض دینے کے لیے تیار ہو یا وہ دونوں کو ایک جیسی شرائط پر قرض دے“ (۱۳)۔ امریکہ کے سب سے بڑے بینکوں میں سے ایک بینک مارگن گارنٹی ٹرسٹ کمپنی (Morgan Guarantee Trust Company) نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ بینکاری کا نظام ”چھوٹی پختہ کار کمپنیوں یا جراثمد اختراعی سرمایہ کاروں (venture capitalists) کو سرمایہ فراہم کرنے سے قاصر رہا ہے“ اور ”باوجود اس کے کہ ان بینکوں کے پاس وافر سرمایہ ہوتا ہے وہ زیادہ مالدار اور وافر نقد رکھنے والی کمپنیوں کے علاوہ کسی کو قابل قبول شرح سود پر سرمایہ مہیا کرنے کو تیار نہیں“ (۱۴)۔

اس کے مقابلے میں نفع اور نقصان میں شراکت عدل کے حصول کے لیے زیادہ سازگار ماحول مہیا کرتی ہے۔ اس کے تحت سرمایہ فراہم کرنے والا اس بات کے لیے مجبور ہوتا ہے کہ منصوبے کی افادیت کو زیادہ اہمیت دے۔ اس طرح غریب اور متوسط طبقے کے اہل تاجروں کے لیے بھی اس کا

امکان ہوگا کہ اگر ان کے پاس ایک نفع بخش منصوبہ ہے ان میں مطلوبہ انتظامی صلاحیت ہے اور وہ ایمانداری اور دیانتداری کے معیار پر اپنے معاشرے میں اچھی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں تو اپنے منصوبے کو بروئے کار لانے کے لیے وہ ضروری سرمایہ حاصل کر سکیں۔ اس سے معاشرہ غریب اور متوسط طبقے کے تاجروں کی صلاحیتوں سے بھی خاطر خواہ فائدہ اٹھا سکے گا، اس طرح ایسے تاجر روزگار کے مواقع بڑھانے اور معاشرے کی ضرورتیں پوری کرنے میں اہم کردار ادا کر سکیں گے۔

غیر سودی سرمایہ کاری میں قرضوں کی عدم ادائیگی سے ہونے والے نقصان کے بارے میں زیادہ تشویش نہیں ہونی چاہیے کیونکہ پوری دنیا میں اس سلسلے میں جو تجربہ ہوا ہے وہ کافی تسلی بخش ہے۔ غریب اور متوسط طبقے کے لوگ پاکستان کے ان رئیس قرضے لینے والوں کی طرح بے اصول اور ابن الوقت نہیں ہوتے جو قرض لے کر ادا کرنے کی کوئی نیت نہیں رکھتے اور رشوت دے کر یا سیاسی اثر و رسوخ کے ذریعہ قرضے معاف کروا لیتے ہیں۔ بین الاقوامی فنڈ برائے زرعی ترقی International Fund for Agricultural Development, (IFAD) کے تجربے سے پتہ چلتا ہے کہ غریب طبقے کے باصلاحیت لوگوں کو جو قرض دیے گئے۔ وہ انہوں نے اپنی آمدنی بڑھنے کی وجہ سے جلد ہی ادا کر دیے (۱۵)۔ کئی ممالک میں چھوٹے قرضوں کے پروگرام (micro credit programmes) کے ایسے ہی مثبت نتائج برآمد ہوئے ہیں۔ لیکن اس کے معنی یہ نہیں کہ چھوٹے قرضوں کی واپسی کے لیے کارگر اور مجرب طریقے اختیار نہ کیے جائیں۔ اس کے لیے بہت سے طریقے دنیا میں اختیار کیے گئے ہیں جن میں سے ایک قرضوں کا انشورنس بھی ہے۔

افسوس اس بات کا ہے کہ پاکستان میں بینکاری کا نظام دولت کو چند ہاتھوں میں مرکوز کرنے کا بہت بڑا سبب بن گیا ہے۔ اعداد و شمار بتاتے ہیں کہ 1994ء میں جہاں ایک لاکھ روپے سے کم

ڈپازٹ والے کھاتوں نے بینکوں کے مجموعی کھاتوں کا 42.9 فیصد فراہم کیا تھا وہاں ایک لاکھ سے کم قرضہ لینے والوں کو تمام قرضوں کا صرف 4.3 فیصد میسر ہوا (۱۶)۔ اور جہاں ایک کروڑ سے زیادہ رقم کے کھاتہ داروں نے بینکوں کے کل کھاتوں کا صرف 14.7 فیصد فراہم کیا وہاں انہیں بینکوں کے مجموعی قرضوں کا 55.6 فیصد ملا۔ اس سے بھی زیادہ افسوسناک بات یہ ہے کہ تمام بینکوں کو 28.4 ملین کھاتہ داروں نے جو رقم فراہم کی اس کا 55.6 فیصد صرف 4,703 قرض لینے والوں کو مل گیا۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کا بینکاری کا نظام ترکیز دولت کا باعث تو بن سکتا ہے لیکن اسلام کے عادلانہ تقسیم دولت کا خواب ہرگز پورا نہیں کر سکتا (۱۷)۔ 1992ء میں جو قانونی تبدیلیاں کی گئیں ان سے بھی کچھ زیادہ بہتری کی توقع نہیں کی جاسکتی۔

۴) اقتصادی استحکام :- بہت سی معروف وجوہات کی بناء پر انسانی تاریخ میں

اقتصادی سرگرمیوں میں اتار چڑھاؤ آتے رہتے ہیں ان میں سے ایک وجہ قدرتی حادثات (natural phenomena) ہیں جیسے خشک سالی، سیلاب اور زلزلے، جن پر قابو پانا انسان کے لیے اب تک مشکل رہا ہے۔ ایک اور بہت اہم سبب پچھلی تین دہائیوں میں دنیا کی مالیاتی منڈیوں (financial markets) میں غیر معمولی بحران ہے۔ جس کے نتیجے میں اقتصادی غیر یقینی میں شدید اضافہ ہوا ہے۔ اس کے بھی کئی اسباب ہیں۔ لیکن نوبل انعام یافتہ ماہر معاشیات ملٹن فریڈمین (Milton Friedman) کے مطابق اس کی ایک بہت بڑی وجہ سود کی شرحوں میں غیر معمولی اتار چڑھاؤ (volatility) ہے (۱۸)۔ اس اتار چڑھاؤ کی وجہ سے سرمایہ کاری کی منڈیوں میں زبردست غیر یقینی صورتحال پیدا ہو گئی ہے۔ جس کے باعث تاجروں کے لیے اعتماد کے ساتھ طویل مدت کی سرمایہ کاری کا فیصلہ کرنا مشکل ہو گیا ہے اور قرض دینے اور لینے والے دونوں اپنے آپ کو زیادہ نقصان سے بچانے کے لیے مختصر مدت کے قرضوں پر حد سے زیادہ انحصار کرنے لگے ہیں۔ چنانچہ ذاتی سرمایہ کی بنیاد پر سرمایہ کاری (equity) کے مقابلے میں مختصر

میعاد کے قرضوں کی بنیاد پر سرمایہ کاری کا تناسب، یعنی لیورٹیج (leverage) 'خاصا بڑھ گیا ہے' (۱۹)۔ لیکن اس حقیقت سے مفر ممکن نہیں کہ لیورٹیج جتنا زیادہ ہوتا ہے اتنا ہی زیادہ اثاثوں کی قیمتوں میں کسی وجہ سے کمی ہو جانے کے باعث قرض کا ادا کرنا مشکل ہو جاتا ہے اور مالی بحران شدت اختیار کر جاتا ہے۔

یہاں یہ سوال اٹھایا جاسکتا ہے کہ مختصر میعاد کے قرضوں میں زیادتی سے مالیاتی منڈیوں میں عدم استحکام کیوں بڑھ جاتا ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ قرض دینے والوں کے لیے مختصر میعاد کے قرضے واپس لینا آسان ہوتا ہے۔ لیکن قرض لینے والوں کے لیے واپس کرنا اس صورت میں مشکل ہوتا ہے جبکہ انہوں نے وہ رقم درمیانی یا طویل مدت کے منصوبوں میں لگائی ہو۔ ایسے منصوبوں کے مکمل ہونے میں دیر لگتی ہے اور رقم کافی عرصہ کے لیے بندھ جاتی ہے جس کی وجہ سے ادائیگی مشکل ہو جاتی ہے۔ اس لیے جب مختصر مدت کے قرضوں کی افراط ہوتی ہے تو رقم غیر ملکی کرنسی، اجناس، پراپرٹی اور حصص کے بازاروں میں نئے کے لیے استعمال کی جاتی ہے۔ اس کی وجہ سے قرض لینے والے کی رقم کم مدت کے لیے بندھتی ہے لیکن مالیاتی عدم استحکام کے بڑھنے کا امکان زیادہ ہو جاتا ہے۔

اس کے یہ معنی نہیں کہ مختصر مدت کے قرضے نہیں لینے چائیں۔ معقول رقم کے ایسے قرضے لینے میں کوئی حرج نہیں جن کا مقصد اس رقم سے حقیقی اشیاء اور خدمات (real goods and services) کی خرید و فروخت ہو۔ اس مقصد کے لیے اسلام کے مالی نظام میں غیر سودی طریقے موجود ہیں۔ لیکن اگر ایسے مختصر میعاد کے قرضوں کا تناسب بہت بڑھ جائے جیسا کہ آج کل دنیا کے مختلف ممالک میں ہوا ہے، تو کافی رقم نئے (speculation) کے لیے استعمال ہوتی ہے۔ جس سے مالیاتی منڈیوں میں عدم استحکام بڑھ جاتا ہے۔ اس بات کو مزید واضح کرنے کے

لیے ہم نیچے تین مثالیں پیش کرتے ہیں۔ ان میں سے ایک مثال مشرقی ایشیا کا مالی بحران ہے۔ دوسری مثال امریکہ کی (LTCM: Long Term Capital Management) طویل المیعاد سرمائے کا کاروبار کرنے والی کمپنی کا ڈھیر ہونا ہے اور تیسری مثال غیر ملکی نقد کے بازار میں بار بار بحران کا آنا ہے۔

مشرقی ایشیا کا مالی بحران :- مشرقی ایشیا کے بعض ممالک نے بہت

تیز رفتار سے معاشی ترقی کی۔ جس کی وجہ سے انہیں مشرقی چیتے (Eastern Tigers) کہا جاتا ہے۔ لیکن 1997ء میں یہ ممالک ایک بہت زبردست بحران کا شکار ہو گئے۔ یہ ممالک اس بحران کا شکار کیوں ہوئے؟ کیا ان کی حکومتوں کی مالیاتی پالیسیاں پاکستان کی طرح غیر صحتمندانہ تھیں؟ یہ وجہ ہرگز نہیں تھی۔ یہی نہیں کہ ان کے بجٹوں میں عام طور پر کوئی خسارہ (deficit) نہیں تھا۔ بلکہ ان میں بچت (surplus) تھی۔ اس کے علاوہ ان ملکوں کی مجموعی بچت بھی ان کی قومی پیداوار کا تقریباً ۳۵ فیصد تھی۔ یہ خوبیاں بہت سے ترقی پسند ممالک کے لیے رشک کا باعث ہیں۔

لیکن پھر سوال یہ ہے کہ ان سب خوبیوں کے باوجود بحران کیوں آیا؟ اس کی ایک بہت بڑی وجہ جو متفقہ طور پر بیشتر محققین نے بتائی ہے وہ یہ ہے کہ مختصر میعاد کے غیر ملکی قرضوں کا ان ملکوں میں بہاؤ (inflow) باہر سے آنے والے پورے سرمائے کا 60 فیصد سے بھی زیادہ تھا۔ اس کی وجہ سے داخلی بینکوں نے نجی شعبے کو خوب دل کھول کر مختصر میعاد کے قرضے دیئے۔ جیسا کہ اوپر بتایا جا چکا ہے ایسے قرضوں کی افراط ٹے میں اضافے کا باعث بنتی ہے۔ ان مختصر میعاد کے قرضوں کی وجہ سے اسٹاک اور پراپرٹی مارکیٹوں میں سٹے کے کاروبار میں گرمی کا سبب بنی اور قیمتیں بہت اوپر گئیں۔ بینکوں نے ضمانت (collateral) پر اعتماد کرنے کی عام غلطی کی تھی اور ان قرضوں کے پیچھے جو خطرات (risks) مضمر تھے ان کا صحیح اندازہ لگانے کی کوشش نہیں کی۔ جیسے ہی حالات نے

پلٹا کھایا، جو کسی وجہ سے بھی ہو سکتا ہے تو غیر ملکی بینکوں نے اپنے مختصر مدت کے قرضے واپس مانگنا شروع کر دیئے۔ ملکی بینکوں نے بھی جب اپنے قرضے واپس لینا چاہے تو قرض داروں نے اپنے اثاثے تیزی سے بیچنا شروع کر دیئے۔ اسٹاک اور پراپرٹی مارکیٹ میں دام بہت تیزی سے گرے اور قرض داروں کیلئے قرض ادا کرنا مشکل ہو گیا۔ بینکاری کے نظام میں اس وجہ سے ایک زبردست بحران پیدا ہوا۔ اور بین الاقوامی ادارہ زر (IMF) کو غیر ملکی بینکوں کو بحران سے بچانے کے لیے (bailout) ایک بہت بڑے قرضے کا اہتمام کرنا پڑا۔ اس طرح غیر ملکی بینک تو بچ کر نکل گئے۔ مگر ملکی بینکوں کے جو قرضے واجب الادا تھے وہ IMF کے قرضوں کی وجہ سے حکومتوں کی طرف منتقل ہو گئے۔ ان حکومتوں کے یہ قرضے اب کون ادا کرے گا؟ ظاہر ہے کہ یہ بوجھ بالا خرچیکس دینے والوں کے کندھوں پر ہی پڑے گا۔

اگر اسلام کا غیر سودی نظام ہوتا اور بینک نفع اور نقصان دونوں میں شریک ہوتے۔ تو پھر وہ حضرات کا صحیح اندازہ لگانے کی کوشش کرتے اور ضمانت پر پوری طرح اعتماد نہ کرتے۔ اس طرح وہ اس قدر فراوانی سے قرضے نہ دیتے اور اسٹاک اور پراپرٹی مارکیٹوں میں نہ اس قدر گرمی آتی اور نہ بعد میں اس قدر قیمتیں گرتیں۔ نفع اور نقصان میں شراکت سے بینکاری کے نظام میں ایک ایسی ڈسپلین (discipline) پیدا ہوتی ہے جس سے بحرانوں پر قابو پایا جا سکتا ہے۔ یہ بات اب بین الاقوامی علمی حلقوں میں عام طور پر قبول کی جانے لگی ہے۔

(Long Term Capital Managemnet) LTCM

کا ڈھیر ہونا :- LTCM امریکہ کا ایک ہیج فنڈ (hedge fund) ہے۔ جس کا

بنیادی مقصد اسٹاک پراپرٹی، اجناس اور غیر ملکی زر مبادلہ کے بازاروں میں سنے کا کاروبار کرنا ہے۔ اس قسم کے ہیج فنڈز کا اپنا ذاتی سرمایہ (equity) کم اور قرضوں پر اعتماد زیادہ ہوتا ہے۔

اس طرح ان کا لیوریج (leverage) نسبتاً بہت زیادہ ہوتا ہے۔ ایسے فنڈز نے اپنے سٹی کی وجہ سے بین الاقوامی اسٹاک پر اپنی اور غیر ملکی زرمبادلہ کے بازاروں میں عدم استحکام پیدا کر دیا ہے۔ دنیا بھر کے اسٹاک اور غیر ملکی زرمبادلہ کے بازاروں میں جو بحران آئے ہیں ان میں اس قسم کے ہیج فنڈز کا بہت بڑا ہاتھ رہا ہے۔ LTCM کا اپنا ذاتی سرمایہ بحران سے پہلے 4 بلین ڈالر سے تھوڑا ہی زیادہ تھا۔ لیکن اس کا لیوریج 25 تھا۔ یعنی اس نے اپنے ذاتی سرمایہ کے ایک ڈالر کے مقابلے میں 25 ڈالر کا قرض لیا ہوا تھا۔ جب مختلف وجوہات کی بناء پر اس کے اثاثوں کی قیمتیں کم ہونے لگیں تو اس نے مزید قرض لے لیا جس سے لیوریج 50 ہو گیا۔ اس کے اثاثوں کی قیمتوں میں کمی اور مزید قرض لینے کا سلسلہ جاری رہا یہاں تک کہ اس کا لیوریج 167 تک پہنچ گیا (۲۰)۔ اگر امریکہ کا فیڈرل ریزرو بینک (Federal Reserve Bank) اس کی مدد کیلئے نہ آتا تو یہ بحران پوری دنیا کے بینکاری کے نظام کو اپنی پلیٹ میں لے لیتا۔ جس سے پوری دنیا میں کساد بازاری کا امکان بڑھ جاتا۔ اور غریب ممالک کی مشکلات بہت بڑھ جاتیں۔ بینک اگر نفع اور نقصان میں شریک ہوں تو وہ ہرگز اس قدر قرض کسی ایک کمپنی کو نہ دیں۔ یہ ضمانت (collateral) پر ضرورت سے زیادہ اعتماد ہی تو ہے جو ان کو ایسا کرنے پر آمادہ کرتا ہے۔

غیر ملکی زر مبادلہ (foreign exchange) کے بازار

میں بحران:- کم مدت کے قرضوں پر بھاری انحصار نے بین الاقوامی زر مبادلہ کی منڈیوں کو بھی بڑی حد تک غیر مستحکم کر دیا ہے۔ زر مبادلہ کی منڈیوں میں روزانہ خرید و فروخت کی مالیت (turnover) اپریل 1998ء میں 1,490 بلین ڈالر تھی (۲۱)۔ اس کے مقابلے میں سامان تجارت کی روزانہ درآمد و برآمد صرف ۳۰ بلین ڈالر کے برابر تھی (۲۲)۔ اس طرح دنیا بھر میں غیر ملکی زر مبادلہ کی روزانہ خرید و فروخت سامان تجارت کی مالیت کا 49 گنا تھی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ غیر ملکی زر مبادلہ کی خرید و فروخت کا بیشتر حصہ سٹے کی غرض کے لیے ہوتا ہے اور زر مبادلہ

ایک عالم پر عالم کی فضیلت ایسی ہے جیسے کہ چاند کی فضیلت دوسرے تمام ستاروں پر (سنن ابوداؤد و ترمذی)

کی شرحوں میں حد سے زیادہ اتار چڑھاؤ کا یہ ایک بہت بڑا سبب ہے۔ اس لئے B.I.S. (بینک فار انٹرنیشنل سیٹلمنٹس) (Bank for International Settlements) کے جنرل مینجر اینڈر و کروکٹ (Andrew Crocket) نے ٹھیک کہا ہے کہ ”ہماری معیشت ادائیگیوں کے نظام کی کمر ٹوٹنے کے خطرے کی وجہ سے غیر محفوظ ہوتی جا رہی ہے“ (۲۳)۔

اگر کم مدت کے قرضوں پر زیادہ انحصار مناسب نہیں۔ تو پھر طویل مدت کے قرضوں اور نفع اور نقصان میں شراکت پر مبنی سرمایہ کاری (equity) پر انحصار کو بڑھانا ہوگا۔ ان دونوں میں سے ذاتی سرمایہ پر مبنی سرمایہ کاری (equity) بہتر ہے کیونکہ اس میں سرمایہ لگانے والا منصوبوں کی اچھی طرح چھان بین کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے (۲۴)۔ اس سے سرمایہ کاری کے کام میں زیادہ ڈیپن آتی ہے اور معیشت میں بہتری پیدا ہوتی ہے۔ اس لئے دنیا کے کئی مشہور اسکالرز نے جن میں Charles ‘Hyman Minsky’ Henry Simons اور Kenneth G. L. Bach ‘Joan Robinson’ Kindleberger Rogoff شامل ہیں۔ یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ ایک ایسی معیشت جس میں ذاتی سرمایہ پر مبنی سرمایہ کاری پر زیادہ انحصار کیا گیا ہو، قرضوں پر زیادہ اعتماد کرنے والی معیشت کی نسبت زیادہ مستحکم ہو گی (۲۵)۔

حرف آخر :- پس یہ ظاہر ہوا کہ ذاتی حصص کی سرمایہ کاری پر مبنی نظام فلاح انسانی کے حصول کے لیے زیادہ مدد و معاون ثابت ہو سکتا ہے۔ ایسے نظام میں یہ ممکن ہوگا کہ تمام انسانوں کی ضروریات زندگی زیادہ بہتر طریقہ پر پوری ہوں۔ تمام لوگوں کو قابل احترام ذریعہ سے معاش مل سکے۔ آمدنی اور دولت کی عادلانہ تقسیم ہو اور مالی اور اقتصادی استحکام میسر ہو۔ سرمایہ

دارانہ نظام ان تمام مقاصد کو موثر طریقہ پر حاصل نہیں کر سکتا۔ اس ناکامی کی وجہ یہ نہیں کہ اس نظام پر عمل کرنے والے ممالک کا نصب العین انسانی فلاح کا حصول نہیں یا یہ کہ ان کے پاس ایسے عزم اور وسائل کی کمی ہے جو ان مقاصد کے حصول کیلئے ضروری ہیں۔

ان کی ناکامی کی بنیادی وجہ وہ کلیدی تضاد ہے جو اس نظام کے نصب العین اور اس کی حکمت عملی کے درمیان پایا جاتا ہے۔ ان ممالک کا اعلان شدہ نصب العین تو انسانی بہبود ہے جس کا سرچشمہ ان ممالک کی دینی اقدار ہیں، لیکن اس کے برخلاف ان کی حکمت عملی کی بنیاد ان کی دینی اقدار نہیں بلکہ سوشل ڈاروزم کا لادینی فلسفہ ہے۔ جو طاقتور افراد کے بقا اور کمزوروں کے خاتمے کو رد رکھتا ہے۔ یہ حکمت عملی سرمایہ کے مختلف استعمالوں کے درمیان تقسیم (allocation of resources) کے لیے شرح سود کو کلیدی درجہ دیتی ہے۔ اس سے مالدار لوگوں کو وسائل کے حصول میں فوقیت حاصل ہوتی ہے، جس کی وجہ سے یہی نہیں کہ امیر زیادہ امیر بنتے ہیں اور اس طرح دولت کا ارتکاز ہوتا ہے بلکہ یہ بھی کہ دکھائے، عیاشی، سٹے اور غیر ضروری اخراجات میں اضافہ ہوتا ہے۔ اس سے انسانی فلاح کے حصول کو زک پہنچتی ہے اور سرمایہ کی بین الاقوامی منڈیوں میں عدم استحکام بھی پیدا ہوتا ہے۔ چنانچہ ملز (Mills) اور پریسلے (Presley) نے بجا طور پر یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ:

”اگر ہم پلٹ کر تاریخ پر نظر ڈالیں تو ہمیں اس بات پر یقین کرنے کے لیے کافی دلائل ملتے ہیں کہ کاش سولہویں صدی عیسوی میں یورپ میں سود کی حرمت کی مخالفت نہ کی گئی ہوتی۔ سود کی حرمت کے اخلاقی موقف کے پیچھے جو عملی حکمت ہے اس کا اس وقت صحیح ادراک نہیں تھا“ (۲۶)۔

حواشی و حوالہ جات

۱۔ یسودیت اور نصرانیت میں سود کی حرمت کے بارے میں دیکھیں Encyclopaee کی Hastings
John et.al "Usury" پر مضمون۔ ج ۱۲ ص ۵۵۸-۵۴۸۔ اس کے علاوہ دیکھئے Noonan ۱۹۰۷ ص ۲۰۔ ہندومت میں سود کی مذمت کے
بارے میں دیکھئے Bokare ۱۶۸۱۹۹۳

۲۔ دیکھئے John.et.al ص ۵۵۸

۳۔ دیکھئے بائبل کی کتاب Ezekiel ۱۸-۸، ۱۳، ۷، اور ۲۲: ۲۵-۲۷ Levfiticus: ۲۵:
۳۸-۳۶ Deuteronomy ۲۳: ۱۹، اور Luke ۶: ۳۵

۴۔ دیکھئے Johns,et.al ص ۵۵۱ لیٹرن (Lateran) وہ جگہ ہے جہاں پوپ چودھویں صدی
عیسوی تک رہتے تھے۔

۵۔ دیکھئے Johns,et.al اور Noonan ۱۹۵۷ء

۶۔ سورۃ القصص آیت نمبر ۵

۷۔ اس موضوع پر زیادہ طویل بحث کے لئے دیکھئے مضمون نگار کی کتاب-Toward a just Mon-
etary System صفحات ۱۹-۲۹ اور ۷۰-۱۰۵، اور مصنف کی کتاب مطبوعہ ۱۹۹۲ کے صفحات
۳۲۲-۳۲۷ اس کے علاوہ دیکھئے مصنف کے دو مضامین جو ۲۰۰۰ء میں چھپے۔

۸۔ یہ عدد صدر مشرف کی اس تقریر سے حاصل کیا گیا ہے جو انہوں نے اس مسلم سربراہ کانفرنس میں کی
تھی جو کوئٹہ میں ۱۵ اکتوبر ۲۰۰۳ء میں منعقد ہوئی۔

۹۔ ان اعداد و شمار کا ماخذ IMF کی ۲۰۰۰ Year book ہے جس میں صفحہ 79-177 پر ایک جدول ہے
جس کا عنوان ہے Consumption as percent of GDP چٹ کے اعداد و شمار اسی سے
اخذ کئے گئے ہیں۔

۱۰۔ OECD, Economic Outlook, December 1991, Table 2, Page 7, and

June 2000 Table 22, Page 266.

Peach and steindel, september 2000, P-1. ۱۱

Bigsten, 1987- P.156-۱۲

Mishan. 1971, Page.205-۱۳

Morgan Guarantee Trust Company of New York 1987, P.7-۱۴

The Economist, 16 February 1985, P-15-۱۵

۱۶۔ مزید تفصیلات اور مراجع کے لئے دیکھئے مصنف کی کتاب Towards a just Monetary system 1985, P.15

۱۷۔ مزید تفصیلات اور مراجع کے لئے دیکھئے مصنف کی کتاب The future of Economics: An Islamic perspective. 2000c, P.283-85

Friedman, 1982, Page.4-۱۸

۱۹۔ اگر کسی کا ذاتی سرمایہ ایک روپیہ ہے اور وہ دس روپے سرمایہ کاری کے لئے ادھار لیتا ہے تو اس کا لیوریج (Leverage) دس ہوگا۔ اور اگر ۲۵ روپے قرض لیتا ہے تو لیوریج ۲۵ ہوگا۔

IMF, World Economic outlook, December. 1998, Page.55-۲۰

۲۱۔ دیکھئے BIS کی ۱۹ اکتوبر ۱۹۹۸ء کی پریس ریلیز

۲۲۔ دنیا بھر کے مجموعی درآمدات اور برآمدات اپریل ۱۹۹۸ء میں 9,087 بلین ڈالر تھے۔ دیکھئے:

IMF, International Financial 1998

اس طرح statistics, November 1998 میں روزانہ کی متوسط تجارت 30,30 بلین ڈالر تھی۔

BIS press release 22, June 1994 P-3-۲۳

IMF, World Economic outlook, May 1998, P-82-۲۴

Minsky, 1975 } Simons, 1948, P-320: Joan Probinson, December ۲۵

1977, P.133: Kindleberger 1978 P.66

Bach 1977, P.182 and Roggoff Fall 1999, P.211-216

Mills and presley 1999, P.120-۲۶

عمدہ لکھائی _____ بہترین چھپائی
مسودہ دیجئے _____ کتاب لیجئے
جمیل پراڈرز
ناظم آباد نمبر ۲ موبائل: 0320-2026858

کسی سرزمین پر ایک حد کے نفاذ کی برکت وہاں چالیس روز نازل ہونے والی بارش کی برکت سے بہتر ہے